سر سیّد کی وفات پر ایک نو دریافت مرثیہ

ڈاکٹر گوہر نوشاہی
Dr. Gohar Noshahi

Abstract:

"Sir Syed Ahmed khan was the prominent figure of urdu literature. His death was a great incident of cultural history of sub-continent at that occasion many poets wrote down numbers of "Marsias" which were collected in remembrance of Sir Syed but the Marsia of Dr.Muhammad Ishaq khan was unknown .this Marsia was published in the journal of "chodvi sadi" that was published after the three months of Sir Syed's death. This article discuses the above mentioned Marsia"

اردو ادب کی یادگار اور اردو نثر کی مثالی شخصیت سرسید احمد خاں کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ جس طرح تاریخ ساز اور عہد آفرین شخصیت اپنے عہد میں تھے آج بھی ہیں۔ انھیں بحیثیت بزرگِ قوم اور محسنِ زبان و ادب یاد رکھنا ان کے معاصرین ہی کا فرض نہیں ہمارا بھی ہے۔ قومی خدمات سے قطع نظر صرف اردو زبان وادب کے لیے سرسید نے جو خدمات انجام دی ہیں اور سرمایہ چھوڑا ہے ہم نے ابھی تک اس کی قدر و قیمت کے تعین کے لیے بھی کوئی کام نہیں کیا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ہم نے سرسید اور ان کے خاندان کی سوانح پر کوئی تحقیقی کام نہیں کیا۔ سرسید کی ذات میں تشنہ اور ناکافی چند کاموں کے علاوہ نے کچھ کام نہیں کیا۔ سرسید کے بچوں سید محمود اور سید حامد نے بھی قومی اور علمی موضوعات پر خدمات انجام دی ہیں۔ ان میں سے کسی پہ کوئی بھرپور کام سامنے نہیں آیا۔ کیا یہ سرسید کے سلسلے سے کوتاہی نہیں۔ سرسید کی وفات ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء سے اس کے قصیدے لکھ رہے ہیں۔ ان پر حالی سمیت کون سا کام سامنے آیا ہے، جسے سرسید کے شایانِ شان کہا جا سکتا ہے۔

اگر گارستان دتاسی کے جمع کردہ رسائل و جرائد پر خطبات گارساں دتاسی اور مقالات گارساں دتاسی جیسی عظیم عمارتیں کھڑی ہو سکتی ہیں تو سرسید پر جمع کیے ہوئے علمی، تحقیقی اور صحافتی سرمائے پر بھی کوئی ایسی یادگار قائم کی جا سکتی تھی جو اردو ادب کی تاریخ کا بنیادی ماخذ قرار پاتی۔ اکابرین کی شخصیتوں کے قصیدے

☆ پروفیسر، شعبۂ اُردو، الحمد یونیورسٹی اسلام آباد

پڑھنے کی بجائے ان کے علمی، فکری ادبی سرمائے کے تحفظ بھی ہم سے ادائے فرض کا تقاضا کرتے ہیں۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء (سرسید کی وفات) سے لے کر اب تک سرسید پر انجام شدہ کام کی علمی تصنیف میں محفوظ ہیں۔ سرسید نے قومی تعلیم کے سلسلے میں تگ ودو کی اس تفصیل کہاں ہے۔ ۱۸۸۴ء میں سرسید سکول، کالج اور یونیورسٹی کے لیے اپنے خواب کی تکمیل کے سلسلے مس جو ذہنی اور جسمانی کاوشیں کی ان کی تفصیل بیان کرنے اور ان لمحات کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی الطاف حسین پیدا نہیں ہوا۔ کسی نے سرسید کے سفرنامہ پنجاب کو پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ سرسید شناسوں کا قیامِ پاکستان کے بعد سارا زور اس پر رہا کہ کسی طریقے سے سرسید کو پاکستان کا بانی تصور کر کے ستلج پار سے آتے ہوئے مہاجرین کو پاکستان کا اصل وارث ثابت کیا جائے تاکہ انھیں سیاسی اور مالی فوائد زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس کے بدلے انھیں سرسید کی خدمات کا حق کیسے ادا کرنا چاہیے اس پر توجہ نہیں دی۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اہم سے ذمہ دارانہ جواب مانگتا ہے۔ میں نے ۱۹۹۶ء سرسید کی صد سالہ برسی کی مناسبت سے ان پر بنیادی نوعیت کا کام ''یادگار سرسید''[۱] کے نام سے شائع کیا تھا۔ جس میں سرسید کی وفات سے صرف دس مہینے بعد تک یعنی مارچ ۱۸۹۸ء سے دسمبر ۱۸۹۸ء تک سرسید کی وفات پر لکھے گئے غم ناموں کو یکجا کیا گیا تھا۔ یہ ایک ''مشتے از خروارے'' جیسا کام تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس حقیر اور سرسید کے نام کے سامنے ایک بے توقیر کام کو مشفق خواجہ مرحوم کے ہاتھ دیکھ کر بھی علی گڑھ یونیورسٹی سے آتے ہوئے صدر شعبہ اردو اسی لیے آب دیدہ ہوئے تھے کہ ایسا کام علی گڑھ میں کیوں نہیں ہو سکا۔ جب کہ وہاں بھی یہ تمام وسائل موجود ہوتے تھے۔ بہر حال کوئی کام کرنا تو ایک طرف یہ احساس بھی بہت قدر و قیمت کا حامل ہے۔ ہمیں سرسید کی قصیدہ خوانی سے زیادہ ان پر کام کرنے کے لیے اپنی صفوں میں کم از کم کوئی حالی، شیخ اسماعیل پانی پتی یا امتیاز علی تاج ضرور پیدا کرنا چاہیے جو سرسید کی سچی اور صحیح عظمت کو ہمارے عہد تک لا سکے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں نے مطالعہ سرسید کے سلسلے میں اپنی کوششوں کو ہمیشہ جاری رکھا ہے۔ سرسید کے سفرنامہ پنجاب پر تفصیلات جمع کرنے اور حواشی لکھنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ زیر نظر تحریر بھی یادگار سرسید کے تکملے کی حیثیت رکھتی اور ایک نو دریافت مواد کی حیثیت رکھتی ہے۔

سرسید کی وفات پر جن لوگوں کے مرثیے لکھے اور غم نامے منظوم کیے ان میں منشی احمد حسین، عباد اللہ اختر، ارشد گوگانی، بخت لدھیانوی، ثاقب مالیر کوٹلوی، الطاف حسین حالی، عبدالغفور شہباز، سید تفضّل حسین، ڈپٹی نذیر احمد، جلال الدین، عبدالحمید وکیل، قاضی قائم الدین، خوشی محمد ناظر، مولانا شبلی نعمانی اور اکبر الٰہ آبادی قابلِ ذکر تھے۔ یہ سب نگارشات ''یادگارِ سرسید'' میں شامل ہیں۔ مولانا شبلی کا مرثیہ ''کلیاتِ نظم نذیر احمد''[۲] میں چھپ چکا ہے۔ ان میں سے اکثر منظومات چودھویں صدی میں راولپنڈی میں شائع ہوئی تھی۔

زیرِ نظر نظم بھی چودھویں صدی راولپنڈی کے ۱۵ جون ۱۸۹۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔[۳] بعد میں دریافت ہوئی اس لیے یادگارِ سرسید میں جگہ نہ پا سکی۔ چنانچہ نذر قارئین ہے تا کہ مطالعہ

سرسید اس سلسلے میں تشنہ نہ رہے۔ سرسید کے معاصر اردو اخبارات و جرائد میں یہ منظوم نظر سے نہیں گزرا جس سے اس کی تحقیقی اہمیت اور ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ یہ اس منظومے کے خالق ڈاکٹر محمد اسحاق کے بارے میں وسیع معلومات دستیاب نہیں۔ سرسید کے مدرسہ علی گڑھ سے بھی ان کا تعلق تھا۔ ممکن ہے وہاں کے طالبِ علم ہوں۔ ۲/اپریل ۱۸۹۸ء کو انھوں نے سرسید کی یاد میں ایک نثری تحریر بھی قلم بند کی تھی جو ۲۳/اپریل ۱۸۹۸ء کے چودھویں صدی راولپنڈی میں شائع ہوئی تھی یہ تحریر میری کتاب یادگارِ سرسید میں موجود ہے۔ اس تحریر میں سرسید کو جس انداز سے خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد اسحاق مدرسہ علی گڑھ کے سچے خیر خواہ اور سرسید مرحوم کے عاشق صاحب تھے۔ امید ہے یہ منظومہ سرسید پر کام کرنے والوں کے لیے طمانیت کا باعث ہوگا۔

نوحہ (مرثیہ)

از ڈاکٹر محمد اسحاق خاں صاحب مقیم ساڈھورہ

تیرے غم سے ہے بہت حال پریشاں سیّد
ایک عالم ہے، تری موت پہ گریاں سیّد
تیرا محمود پسر اور نواسہ مسعود
دشنۂ غم سے ہیں مجروح و پریشاں سیّد
محسن الملک ترا، شبلی و حالی سا رفیق
تیری فرقت میں ہیں خستہ و نالاں سیّد
قوم روتی ہے تری آ کے خبر لے ان کی
بن ترے کون ہے اس قوم کا پرساں سیّد
اب کوئی ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں ہے تجھ سا
قوم کا حال ہے اس غم سے پریشاں سیّد
معدنِ لطف و کرم، مخزنِ اوصافِ جمیل
گوہرِ بحرِ شرف تھا مرا ذیشاں سیّد
بعد مرنے کے ہوئی قدر تری ہم کو نصیب
یاد آتے ہیں ترے سب پہ وہ احساں سیّد
بحث افراط سے تفریط سے کچھ ہم کو نہیں
تھا ہمارے لیے تو سایہ یزداں سیّد
عرصۂ حشر میں بھی ہے یہ توقع ہم کو
قوم کے لینے کو ہو خُلد کا درباں سیّد
قوم کے باغ کو تو نے نہ شگفتہ دیکھا
لے گیا گور میں بس ساتھ ہی ارماں سیّد
کیوں مسلمان نہ رو رو کے کریں حال تباہ
تاج اسلام میں تھا گوہر رخشاں سیّد
قومِ بیمار کا اب کون مسیحا ہو گا
تھا ہمارے لیے ہر درد کا درماں سیّد
دردِ ہمدردیِ قومی کی محبت میں ترے
ایک عالم ہے ترا آج ثنا خواں سیّد
ہے یہی صبح مسا اب تو دعائے اسحاق
برسے مرقد پر تری رحمتِ یزداں سیّد

حق تعالیٰ تجھے بخشے، ہے یہی سب کی دعا
ہو مبارک تجھے یہ روضۂ رضواں سیّد

۱۵ جون ۱۸۹۸ء چودھویں صدی (راولپنڈی) ۷

نوحہ

از ڈاکٹر محمد اسحاق خان صاحب مقیم سادھوڑہ

تیرے غم سے ہے بہت حال پریشاں سید — ایک عالم ہے تیری موت پہ گریاں سید
تیرا محمود پسر اور نواسہ مسعود — دستِ غم سے ہیں مجروح و پریشاں سید
محسن الملک ترا شبلی و حالی سا رفیق — تیرے فرقت میں ہیں خستہ و نالاں سید
قوم روتی ہے تری آ کے خبر لے ان کی — بن ترے کون ہے اس قوم کا پرساں سید
اب کوئی ڈھونڈھے سے بھی ملتا نہیں تجھ سا — قوم کا حال ہے اس غم سے پریشاں سید
معدن لطف و کرم مخزنِ اوصافِ جمیل — گوہر بحر شرف تھا مرد ذیشاں سید
بعد مرنے کے ہوئی قدر تری ہم کو نصیب — یاد آتے ہیں ترے سب پہ وہ احساں سید
بحث افراط و تفریط سے کچھ ہم کو نہیں — تھا ہمارے لئے تو سایۂ یزداں سید
عرصۂ حشر میں بھی ہے یہ توقع ہم کو — قوم کے لینے کو ہو خلد کا درباں سید
قوم کے باغ کو تو نے نہ شگفتہ دیکھا — لے گیا گور میں بس ساتھ ہی ارماں سید
کیوں مسلماں نہ رو رو کے کریں حال تباہ — تاجِ اسلام میں تھا گوہر رخشاں سید
قوم بیمار کا اب کون مسیحا ہوگا — تھا ہمارے لئے ہر درد کا درماں سید
درد ہمدردی قومی کی محبت میں ترے — ایک عالم ہے ترا آج ثنا خواں سید
ہے یہی صبح و مسا بتو دعائے اسحاق — برسے مرقد پہ ترے رحمتِ رحماں سید
حق تعالیٰ تجھے بخشے ہے یہی بس کہ دعا — ہو مبارک تجھے اب روضۂ رضواں سید

حوالہ جات

۱۔ یادگارِ سید، تحقیق وتدوین مجلس فروغ تحقیق، اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۶ء

۲۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، کلیاتِ نظمِ نذیر احمد، مرتبہ: ڈاکٹر ہارون قادر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء

۳۔ محمد اسحاق خان، ڈاکٹر، نوحہ ہفت روزہ چودھویں صدی راولپنڈی، مدیر قاضی سراج الدین، ۱۵ جون ۱۸۹۸ء، ص: ۷